خلیجی صورتِ حال کے متعلق

خادم الحرمین الشریفین فہد بن عبد العزیز آل سعود

کا

حقیقت بر مبنی خطاب

عالمی اسلامی عوامی کانفرنس بغداد کی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ ۹ و ۱۱ جنوری ۱۹۹۱ء مکہ مکرمہ کے عہدیداران وارکین ومدعوین کے نمائندہ وفد سے خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد حفظہ اللہ کا ایک بصیرت افروز خطاب ہفت روزہ ترجمان دہلی مجریہ ۶ فروری ۱۹۹۱ء کے شکریہ سے ہم اپنے موقر مجلہ "ترجمان الحدیث" میں شائع کر رہے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ سعودی حکومت کا موقف شروع ہی سے کس قدر واضح، مستحکم اور مسلمہ اصولوں سے ہم آہنگ ہے جب کہ صدر صدام ہوسِ ملک گیری اور ذاتی ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے استعماری قوتوں کا آلۂ کار بنا ہوا ہے۔ نیز اس خطاب میں بے شمار ان سوالوں کا جواب بھی مل جائے گا، جو آج کل خلیج کی بگڑتی ہوئی صورتحال کی وجہ سے ذہنوں میں ابھر رہے ہیں۔ حقیقت شناس اور صداقت پسند ہو کر اس مضمون کو پڑھیے تاکہ حق وصداقت کا ساتھ دینے کے لیے کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکے، واللہ المستعان۔ (ادارہ)

آج کے مبارک دن اور ان مبارک لمحات میں آپ حضرات سے جو مجھے اور پوری ملت اسلامیہ کو عزیز ہیں، ملاقات کو میں اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ جو بلا کسی نمود ونمائش کے دینی بات کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔ جنھیں مکہ مکرمہ میں حالات کھینچ کر لائے ہیں اور جو خوشدلی کے ساتھ یہاں اپنا فرض سمجھ کر اکٹھا ہوئے ہیں۔

ہم سب جانتے ہیں کہ چند مہینے پہلے عراق نے کس طرح کویت پر حملہ کیا۔ اس سلسلہ میں اب زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ چند روز پہلے میں عرب اسلامی اور دوست ممالک کی فوجوں کے معائنہ کے موقعہ پر پوری بات تفصیل سے بتا چکا ہوں۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ بغداد اور اس کے حامی بعض ممالک کے ترجمان یہ کہتے ہیں کہ یہ فوجیں سعودی عرب اور خلیجی ممالک میں حملہ کے لیے آئی ہیں وہ اس کا سبب بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں لیکن ہر صاحب رائے یہی کہے گا کہ عراق نے ایک پڑوسی ملک پر دھوکہ اور غداری کے ساتھ حملہ و قبضہ کیا ہے اور عراقی جارحیت میں حصہ لینے کے لیے خلیجی ممالک کی خواہش اور سعودی عرب کی دعوت پر یہ فوجیں یہاں آئی ہیں۔

جو کچھ ہوا اس نے ہم سب کو حیرت زدہ کر دیا اور بہت سے لوگ جن میں میں بھی شامل ہوں دسیوں برسوں سے بلکہ زیادہ مناسب الفاظ میں چند برسوں سے جاری مسئلہ کی پیشرفت کے بارے میں مکمل وضاحت کر چکے ہیں۔ میں ان لوگوں میں ہوں جنہوں نے اس مسئلہ کے ساتھ ساتھ وقت گزارا ہے۔ کبھی میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا کہ ایک عرب ملک دوسرے پڑوسی عرب مسلم پر قبضہ کر بیٹھے گا جب کہ اس امن پسند ملک نے عراق اور دیگر ممالک کے ساتھ سوائے بھلائی کے کچھ نہیں کیا تھا۔ دنیا کے تمام خطوں کے مسلمانوں کے لیے یہ بڑی حیرت کی بات تھی اور سعودی عرب اور جمہوریہ مصر کو بھی اس پر بہت اچنبھا ہوا۔ بالخصوص اس لیے بھی کہ صدر حسنی مبارک اور میں اس مسئلہ سے شروع ہی سے وابستہ رہے ہیں جب معاملات دوسرے رُخ پر جا پڑتے تو ہمیشہ اندیشہ ہوا کہ کہیں برے نتائج تک بات نہ پہنچے لیکن ہمیں ہرگز اس بات کا یقین نہیں تھا کہ عراق کویت پر حملہ کر دے گا جب کہ عراق پر خاص طور پر اس کے بڑے احسانات تھے اور عراق ان کا انکار بھی نہیں کر سکتا۔

کویت کئی برسوں سے مسائل سے دوچار تھا۔ عراق کے بارے میں سعودی عرب کا موقف سب جانتے ہیں۔ اگر ہم چند برس پیچھے لوٹ جائیں تو ہم دیکھیں گے کہ صدر صدام سعودی عرب کے بارے میں ہر موقع و مناسبت سے کس طرح اظہار تشکر کر رہے ہیں پھر اور بھی بہت باتیں تھیں جن سے ہم یہ یقین کر رہے تھے کہ عراق کسی بھی حال میں کویت یا سعودی عرب سے بدسلوکی نہیں کرے گا۔ جب ہم نے دیکھا کہ "الغاو" علاقہ میں فوجیں جمع ہو رہی ہیں اور وہاں فوجی مشقیں ہو رہی ہیں تو ہم چونکے۔ میں نے سعودی وزیر خارجہ شہزادہ سعود الفیصل کو عراقی صدر کے پاس بھیجا

اوران کی توجہ اس طرف دلائی۔ میرے ذہن میں ہرگز بھی یہ نہیں آسکتا تھا کہ یہ فوجی مشقیں وغیرہ کویت پر حملہ اور اس کے بعد سعودی عرب کے خلاف کارروائی کے لیے تیاری کے سلسلے میں کی جا رہی ہیں۔ عراقی صدر نے یقین دلایا کہ یہ مشقیں حسب معمول ہیں اور کوئی خاص بات نہیں۔ انھوں نے کہا کہ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں کہ کویت کے خلاف کسی بھی حال میں طاقت استعمال کروں گا۔ مسئلہ صرف چند حقوق کا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ کویت میں ہمارا کچھ حق بنتا ہے۔ کویت ایسا نہیں سمجھتا۔ یہ ایسے معاملات ہیں جنھیں خوش اسلوبی سے حل ہو جانا چاہیے اور اگر کوئی دشواری ہی آپڑے تو انھیں عرب لیگ یا بین الاقوامی اداروں کے سامنے پیش کیا جاسکتا ہے اور بس۔ میرے خیال میں یہ قدرتی بات تھی کہ عراقی صدر کی بات کو سنجیدہ مان لیا جاتا۔ لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد ہم نے دیکھا کہ فوجی مشقوں میں اضافہ ہو گیا ہے۔ میں نے پھر وزیر خارجہ کو عراقی صدر کے پاس بھیجا اور انھوں نے پچھلی بات پھر دہرائی جس سے شک کی گنجائش باقی نہ رہی۔ تب میں نے حسنی مبارک سے رابطہ قائم کیا۔ انھوں نے اس معاملہ میں گہری دلچسپی لی۔ میرے اور اُن کے درمیان برابر رابطہ قائم رہتا تھا۔ جب میں نے سعودی وزیر خارجہ کی روایت سے آگاہ کیا تو انھوں نے میری رائے پر عراقی صدر سے ملاقات کے لیے خود بغداد جانے کا فیصلہ کیا۔

میرے علم کے مطابق صدر مبارک کا مقصد یہ تھا کہ عراقی صدر دو ایسے عرب ملکوں کے سامنے اپنا موقف دہرائیں جو عراق کے خیر خواہ تھے۔ عراقی صدر نے صدر مبارک سے بھی وہی بات کی جس کا صدر مبارک کے دل پر اچھا اثر پڑا۔ پھر وہ کویت گئے اور شیخ جابر اور حکومت کے دیگر ذمہ داروں سے بات چیت کی پھر وہ دوبارہ عراق ہوتے ہوئے مصر واپس لوٹے۔ اور مجھ سے رابطہ قائم کر کے اس کی تصدیق کی کہ عراقی صدر نے ان سے بھی وہی بات کی ہے جو سعودی وزیر خارجہ سے کہی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ میں نے عراقی صدر سے کہا ہے کہ کویت و عراق کے درمیان تعلقات میں کچھ کشیدگی محسوس ہوتی ہے جس سے معاملات میں پیچیدگی پیدا ہوسکتی ہے۔ جو مسئلہ دونوں کے درمیان ہے وہ قابل حل ہے۔ کسی کو مناسب حل پر اعتراض نہیں ہے۔ عراقی صدر نے اس سے اتفاق کیا کہ عراق کا ایک وفد کویت کے ایک وفد سے سعودی عرب میں گفت و شنید کرے گا۔ میں نے اس کا خیر مقدم کیا۔ اس کے بعد جیسا کہ میرا خیال ہے صدر حسنی مبارک اور عراقی صدر کے درمیان عراقی و کویتی وفدوں کی ملاقات کے پروگرام کے بارے میں رابطہ قائم ہوا اور یہ طے پایا کہ یکم اگست کو یہ ملاقات ہو۔ کویتی وفد ولی عہد اور وزیر اعظم کی سربراہی میں ہو گا اور عراقی وفد کی سربراہی نائب صدر

عزت ابراہیم کریں گے۔

ہمیں دونوں وفدوں کا سعودی عرب میں خیر مقدم کر کے خوشی ہوئی۔ سعودی عرب کا رول صرف اتنا تھا کہ ملاقات اس کی سرزمین پر ہو رہی تھی۔ باقی سارے معاملات دونوں وفدوں پر چھوڑ دیے گئے تھے۔ دونوں وفود کے پہنچنے کے بعد کویتی وفد کے سربراہ شیخ سعد عبداللہ نے جو ولی عہد اور وزیراعظم ہیں عراق نائب صدر سے ملاقات کی اور یہ طے پایا کہ وہ الگ گفت و شنید کریں گے ہم نے اس کا انتظام کر دیا۔ یہ گفت و شنید دو گھنٹے تک جاری رہی۔ اس کے بعد دونوں وفود کے بعض ممبران بھی گفت و شنید میں شامل ہو گئے۔ چھ بجے شام کو یہ میٹنگ ختم ہوئی اور مجھے اس پر بڑی خوشی ہوئی کہ دونوں مل بیٹھے۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ سعودی عرب اس میٹنگ میں شریک نہ تھا۔ اور دونوں ملکوں کے درمیان دوبارہ میٹنگ طے کرنے کا کام دونوں وفدوں پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ مسئلہ معمولی تھا جس کے لیے وہ سب غیر ضروری تھا جو پیش آیا۔

رات ساڑھے آٹھ بجے میں نے دونوں وفدوں کے اعزاز میں عشائیہ دیا۔ اور مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ کویتی ولی عہد اور عراقی نائب صدر دونوں ایک ہی کار میں دعوت میں شرکت کے لیے آئے۔ دونوں طرف چہروں پر بشاشت نمایاں تھی۔ اور یہ بات میرے لیے مسرت خیز تھی۔ میں نے عشائیہ کے دوران شیخ سعد سے پوچھا کہ غالباً آپ لوگ کسی اتفاق رائے تک پہنچ گئے ہوں گے؟

جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں عراق و کویت کے درمیان حدود کا مسئلہ کافی پرانا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ میں اپنے ساتھ وہ ساری دستاویزات لایا تھا جن میں عراق سے کافی پہلے اور حال میں ہونے والی گفت و شنید کی تفصیلات تھیں۔ میری پوری کوشش تھی کہ معاملہ اس طور پر حل ہو جائے، جو دونوں فریقوں کے لیے قابل قبول ہو لیکن عراقی وفد کے سربراہ نے میری ساری باتیں سننے کے بعد کہا کہ میری تجویز ہے کہ حدود کے بارے میں غور کرنے کے لیے ایک دوسرا جلسہ بغداد میں سنیچر کو (۴ اگست) ہو اگر بغداد میں معاملہ طے پا جائے تو بڑی اچھی بات ہوگی ورنہ اگر کچھ باقی رہ جائے تو پھر منگل ۶۔ اکتوبر کو کویت میں آخری میٹنگ ہو۔

میں نے عراقی وفد کے سربراہ نائب صدر عزت ابراہیم سے پوچھا تو انھوں نے شیخ سعد کی بات دہرائی اور کہا کہ ہم نے اس بنیاد پر ایسا طے کیا ہے کہ مسائل پر غور بغداد میں ہو تا کہ عراقی صدر بھی شریک بھی ہوں۔

میں نے اس کا خیر مقدم کیا کیونکہ یہ ایک پہلے سے چلے آ رہے مسئلہ کو ختم کرنے کی کوشش کا آغاز تھا۔ اور چونکہ دونوں ملک عرب اور ہمارے بھی پڑوسی ہیں اس لیے ہماری خوشی فطری تھی۔ بات یہیں پر ختم ہو گئی۔ اس کے بعد تقریباً گیارہ بجے یہ لوگ اپنے اپنے ملک روانہ ہو گئے۔

ہمارے ملک میں عام طور پر جمعرات اور جمعہ کو چھٹی رہتی ہے کام سنیچر کو شروع ہوتا ہے۔ لیکن جمعرات (۲ر اگست) کو صبح سے پہلے ایک بجے رات میں مشرقی صوبہ کے ایک ذمہ دار نے ہمیں یہ خبر دے کر اچنبھے میں ڈال دیا کہ اس وقت کویت پر عراقی فوجیں حملہ کر رہی ہیں۔

سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے یقین ہی نہیں آیا۔ اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ شاید اس ذمہ دار کو کچھ غلط فہمی ہو گئی ہے یا کسی اور ملک نے کوئی حرکت کی ہے۔ میں نے کویت کے سعودی سفارت خانہ سے رابطہ قائم کیا تو اس نے اس کی تصدیق کر دی۔

حیرت اس لیے اور زیادہ ہوئی کہ حملہ ایسے وقت ہو رہا تھا جب کہ دونوں ملکوں کے درمیان کچھ اتفاق رائے پیدا ہو چکا تھا اور کویت مطمئن ہو چکا تھا۔ پھر آدھی رات کے بعد اس پر حملہ کیا جا رہا ہے میرے خیال میں کوئی بھی انسان یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ ایک عرب ملک پر اس کے پڑوسی عرب ملک سے حملہ ہو سکتا ہے۔ لیکن جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا اور کویت پر قبضہ کیا جا چکا تھا۔

حملہ کی تصدیق کے بعد میں نے فوراً عراقی صدر سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ مجھے بتایا گیا کہ وہ ٹیلیفون سے دور ہیں اور وہ خود سعودی عرب سے رابطہ قائم کریں گے۔ کچھ دیر بعد ان کے سیکریٹری نے رابطہ قائم کیا اور کہا کہ صدر نے چھٹی لے رکھی ہے اور ایک دور دراز مقام پر آرام کر رہے ہیں ان کے پاس ٹیلیفون نہیں ہے۔

کیا عقل و منطق کی رو سے ایسا ممکن ہے کہ اس طرح کے حالات میں کسی ملک کے سربراہ کے پاس ٹیلیفون نہ ہو؟ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتے۔ سیکریٹری نے بتایا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ صبح کو آپ سے رابطہ قائم کریں۔ ظاہر ہے اب کویت پر حملہ روکنے کی کوئی تدبیر نہیں تھی۔ رابطہ قائم کرنے کا مقصد تو حملے کو روکنا ہی تھا۔ صبح دس بجے عراقی صدر نے مجھ سے رابطہ قائم کیا۔ اور جب میں نے مسئلہ پر گفتگو کرنا چاہی تو انھوں نے کہا کہ فون پر گفتگو سے مقصد پورا نہیں ہو سکتا اس لیے میں اپنے نائب صدر کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ انھوں نے بڑی دلجوئی کے انداز میں بات کی۔ میں چاہتا تھا کہ کوئی نتیجہ نکل آئے یعنی کویت سے واپسی۔ اور کم از کم میں یہی سوچ بھی سکتا تھا کیونکہ دو پڑوسی ملکوں کے درمیان یہ بات کوئی انہونی نہ ہوتی۔

عراقی نائب صدر سعودی عرب آئے اور مجھ سے ملاقات ہوئی تو میں دو تین منٹ تک انتظار کرتا رہا کہ وہ مجھے عراقی صدر کا پیغام پہنچائیں۔ تب میں نے ان سے کہا کہ بھائی عزت ابراہیم! صدر نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ آپ کو میرے پاس بات چیت کے لیے بھیج رہے ہیں مجھے یقین ہے کہ آپ ضرور کچھ بات لے کر آئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ صدر صدام حسین نے کہا ہے کہ جو کچھ ہوا، وہ فطری تھا۔ کویت عراق کا حصہ ہے اور اپنی اصلی جگہ واپس آ گیا ہے۔

میں نے کہا کہ کیا اس بات میں کچھ کہنے سننے کی گنجائش بھی ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں صرف یہی بات لے کر آیا ہوں اور کچھ نہیں۔

30337

میں نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو گفت وشنید کا کوئی اختیار نہیں ہے جبکہ ایسے حالات میں وفد کے سربراہ کو اس کا اختیار ہوا کرتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے صرف صدام حسین کی طرف سے یہ پیغام پہنچانے کا فرض ادا کیا ہے۔

میں نے جان لیا کہ ان کے پاس کوئی حل نہیں ہے پھر بھی میں نے ان سے کہا کہ کیا اس کی گنجائش ہے کہ میں ان معاملات کے بارے میں آپ سے تبادلہ خیال کر دوں؟

انھوں نے کہا کہ میں سننے کے لیے تیار ہوں لیکن جواب دینے کا اختیار مجھے نہیں ہے۔ میں نے کہا پھر آپ کی آمد کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ نہ صدر صدام حسین کو میرے پاس آپ کو بھیجنے کی ضرورت تھی۔ عام طور پر کوئی ملک اپنا نمائندہ بھیجتا ہے تو گفت وشنید ہی کے لیے۔ صدر صدام فون پر مجھ سے کہہ سکتے تھے کہ ہم نے کویت پر قبضہ کر لیا ہے اور بس۔

انھوں نے کہا یہی مطلب ہے۔ تب میں نے کہا جب آپ کو گفت وشنید کا کوئی اختیار ہی نہیں دیا گیا ہے صرف آپ میری بات نقل کریں گے تو ایسی صورت میں کوئی بات کرنا بیکار ہے۔ انھوں نے کہا۔ آپ بات کریں گے تو میں خاموشی سے سن لوں گا جواب دینے کا مجھے اختیار نہیں ہے۔ بہرحال ایسے حالات میں جو کچھ ہو سکتا تھا میں نے کہا اور جان لیا کہ درحقیقت گفتگو بے سود ہے۔ عراقی صدر نے ہمیں دھوکہ دیا ہے اور وہ کہہ چکے ہیں کہ جنگ دھوکہ کا نام ہے۔ دو پڑوسی ملکوں کے درمیان یہ کیسا دھوکہ اور کیسی جنگ ہے۔ کویت عراق کے داخلی امور میں اور اس کی ترقیاتی و رفاہی اسکیموں میں کافی مدد دیتا رہا ہے اور دنیا جانتی ہے کہ سعودی عرب نے کتنی مدد پہنچائی ہے۔ ہم نے جو کچھ کیا عراقی قوم کی خدمت کے لیے کیا اور جو کچھ کیا وہ کسی سے مخفی نہیں خود صدر صدام بار بار اس کا اعلان کر چکے ہیں۔ عراقی فوج اور عراقی عوام بخوبی

جانتے ہیں کہ سعودی عرب نے کتنا مال خرچ کر دیا اور اس سے اس کے سوا کچھ نہیں چاہا کہ عراق ایک مستحکم اور خوشحال ملک بن جائے۔

پھر حالات اس رُخ پر بڑھے جس سے ہم سب نے جان لیا کہ عراق اس کا پختہ ارادہ کر چکا ہے کہ کویت نام کی کوئی چیز باقی نہ رہنے دی جائے۔

سبھی جانتے ہیں کہ قبضہ کے بعد کویت میں ایک حکومت یہ کہہ کر قائم کی گئی کہ یہ کویتی عوام کی مرضی ہے لیکن ہمیں اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ حکومت چند دنوں کی مہمان ہے۔ حکومت کی تشکیل کے بعد عراقی صدر نے اس کا استقبال یہ کہہ کر کیا تھا کہ یہ کویت کی حکومت ہے پھر سنا گیا کہ اس حکومت نے عراق کے ساتھ اتحاد و انضمام کی درخواست کی ہے یہاں تک کہ حالت وہاں تک پہنچ گئی جسے صدر صدام فطری اور [illegible] قابلِ قبول قرار دیتے ہیں۔ یہ حالت ضرور قابل قبول ہوتی اگر دونوں ملکوں نے برضا و رغبت انضمام کا فیصلہ کیا ہوتا کیونکہ یہ ملکوں کا حق ہے کہ وہ اس طرح کا فیصلہ کریں۔ لیکن سعودی عرب کو پورا یقین ہے کہ یہ مسئلہ صرف فوجی قبضہ ہے جسے حق بجانب نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اور اس کے پس منظر کوئی اہم سبب نہیں۔ عبدالکریم قاسم کے عہد میں اور اس کے بعد عراقی فوجیں دوبار کویت پر حملہ کرنے کی کوشش کر چکی ہیں اور سبھی جانتے ہیں کہ عرب لیگ نے مداخلت کی تھی اور سعودی اور مصری فوجیں پھر دیگر عرب ممالک کی فوجیں کویت و عراق کے درمیان رکاوٹ کے لیے بھیجی گئی تھیں پھر نوری سعید کے دور میں بھی اس طرح کے واقعات ہوئے تھے۔

میں سمجھتا ہوں کہ آپ مجھ سے زیادہ اس سے واقف ہوں گے کہ کویت ڈھائی سو برس سے بھی زیادہ عرصہ سے کبھی بھی عراق میں نہیں رہا۔ کویت و عراق کے درمیان اختلافات تقریباً پچاس سال قبل پیدا ہوئے۔ پھر عراق و کویت نے فوجی ذریعہ کے بجائے دوستانہ طریقے سے باہم اتفاق کر لیا۔ اور اس وقت کے عراقی صدر احمد حسن بکر اور موجودہ صدر صدام حسین نے دونوں ملکوں کے باہمی معاہدہ پر دستخط کیے جس میں کویت کا ایک آزاد ملک کی حیثیت سے مکمل اعتراف کیا گیا۔ یہ معاہدہ خود عراق کی خواہش پر عمل میں آیا تھا۔

دونوں ملکوں کے درمیان کچھ غلط فہمی تھی۔ جو بعد میں دور ہو گئی۔ عراق کویتیوں کے ساتھ ملے معاملات طے ہو گئے اور نتیجۃً دونوں ملکوں کے درمیان دوستانہ [illegible] کا نیا دور [illegible]۔ ایسا جنگ اور زبردستی کے ذریعہ نہیں ہوا۔ بلکہ محبت [illegible] کو ختم کرنے کے جذبہ سے ہوا۔ یہ بین الاقوامی دستاویز آج بھی اقوام متحدہ میں عرب لیگ میں اور عراق و کویت سمیت سارے

عرب ممالک میں موجود ہے اس لیے عراق کی اس بات کو کسی بھی طرح حق بجانب نہیں ٹھہرایا جا سکتا کہ کویت اس کا حصّہ ہے کیونکہ یہ حقیقت اور منطق دونوں کے خلاف ہے۔ اصل سبب صرف یہ ہے کہ عراق کو کویت کے بارے میں لالچ پیدا ہوا اور یہ لالچ پیدا ہوا کہ وہ کویت سے شروع کر کے سعودی عرب، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات اور عمان تک سارے خلیجی ممالک پر قبضہ کر لے۔ اس کے واضح اشارے موجود ہیں۔ عراقی فوجوں نے جب کویت پر حملہ کیا تو بہت بھاری طاقت لے آیا۔ ستائیس سو سے زیادہ ٹینک دو لاکھ ستر ہزار سے زیادہ فوجی اور دو سو اسی سے زیادہ جنگی طیارے وغیرہ۔ سعودی عرب پر واضح ہو گیا کہ اگلا نشانہ چند ہی روز بعد سعودی عرب کا ایک حصہ ہوگا۔ جب یہی اصول اور بنیاد ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ عراق ایران جنگ کے خاتمہ کے بعد جب میں نے عراق کا دورہ کیا اور صدر صدام نے میرے لیے ایک زبردست تقریبِ استقبالیہ منعقد کی۔ اس موقع پر ان کی اس بات سے تو میں اُلجھن میں رہ گیا تھا کہ عراق نے ایک معاہدہ تیار کیا ہے جس کی رُو سے سعودی عرب و عراق ایک دوسرے پر حملہ نہیں کریں گے۔ میں نے عراقی صدر سے کہا کہ میرے خیال میں اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ دونوں ملکوں کے درمیان اس طرح کا معاہدہ ہو۔ ہم سب عرب ہیں۔ ایک ہی دائرہ کے لوگ ہیں دونوں ملک باہم پڑوسی ہیں۔ دونوں عرب لیگ کے ممبر ہیں تاریخی اعتبار سے دونوں میں وجہ اشتراک ہے لیکن اگر آپ ایسا چاہتے ہی ہیں تو کوئی حرج بھی نہیں لیکن آپ کا مقصد کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ دوسروں کو یقین دلانے کے لیے۔ مجھے امید ہے کہ سارے لوگوں کے درمیان ایسا ہی معاہدہ ہو جائے گا جب کہ یہ بات صورتِ حال کے تقاضوں کے بالکل برعکس تھی۔ میں نے کہا لیکن اس سے لوگوں کی توجہ ایک نئی سمت کی طرف ہو جائے گی حالانکہ عراق و سعودی عرب کے درمیان دوستی کے تعلقات ہیں اور ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں سعودی عرب کے موقف کے بارے میں کوئی شک نہیں۔ اگر یہ موقف نہ ہوتا جس پر ہمیں فخر ہے تو آج عراق یہاں تک نہ پہنچتا اور نہ عراقی فوج یہاں تک پہنچتی جسے ہم عرب قوم کی دفاعی فوج سمجھتے ہیں۔

سبھی جانتے ہیں کہ عراقی فوج کو تیار کرنے میں کئی سال لگے یہاں تک کہ اسے ایک قابلِ ذکر فوج شمار کیا جانے لگا۔

عرب وکیلوں کی کانفرنس میں جس نے بھی شرکت کی ہوگی اس نے صدر صدام کا یہ بیان سنا ہوگا کہ عراقی فوج عرب قوم کے دفاع کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اگر کسی عرب ملک کے خلاف جارحیت

کی کی ہو اس کی مدد کے لیے عراقی فوج مداخلت کرے گی اور عراق کوئی غلط حرکت کر بیٹھے تو عرب فوجوں کو عراق سے برسرپیکار ہو جانا چاہیے۔ یہی بات انھوں نے بغداد چوٹی کانفرنس میں دہرائی تھی۔

مذکورہ باتوں کے پیش نظر عراقی اقدام اور بھی اچنبھے میں ڈالنے والا تھا۔ ہم نے اس سلسلے میں شروع میں بہت کوششیں کیں۔ عراق کے لیے لازمی ہے کہ وہ کویت سے واپس ہو جائے۔ اور اگر کچھ حقوق کا دعویٰ کرتا ہے تو عرب بھائیوں میں سے یا عرب رہنماؤں اور سرکردہ شخصیات میں سے جسے بھی وہ چاہے اختیار کر لے کہ وہ عراق و کویت کے مابین سرحدوں کے بارے میں ثالثی کا فریضہ انجام دے دیں۔

کویت سیکڑوں برسوں سے آزاد ملک ہے۔ سرحدوں کا یہ جھگڑا کوئی ایسا اہم نہیں۔

عراق آج دعویٰ کرتا ہے کہ رمیلہ کا پٹرول والا علاقہ تین چوتھائی عراق میں ہے اور ایک چوتھائی کویت میں اور عراق پورے علاقہ کا دعویدار ہے۔ عراق کویت کے ساتھ اپنی سرحدوں کو تسلیم نہیں کرتا۔ لیکن یہ مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جسے بھائی چارہ اور منطق کی بنیاد پر حل نہ کیا جا سکے۔ اگر دونوں فریق کسی بات پر راضی ہو جائیں تو بڑی اچھی بات، ورنہ یہ معاملہ عرب بھائیوں کے سپرد کر دیں یا عرب لیگ، اسلامی ممالک کے رہنماؤں کے حوالہ کر دیں۔ اور اگر وہ کسی عرب یا اسلامی رہنما کی بات نہیں ماننا چاہتے تو بھی اُن کے سامنے عالمی عدالت موجود ہے جو اسی طرح کے تنازعات حل کرنے کے لیے قائم ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ عراق کا کوئی حق چھین لیا گیا تھا اور عراق اسے طاقت کے ذریعے واپس لینا چاہتا تھا بلکہ حقیقت یہ تھی کہ عراق ایک ایسے آزاد عرب ملک پر قبضہ جمانا چاہتا تھا جو عرب لیگ اور بین الاقوامی اداروں کا دسیوں برس سے ممبر ہے۔

کویت کسی بھی زمانہ میں قطعی طور پر عراق سے منسلک نہیں رہا۔ یہ تو ایک ایسے آزاد و خارغ البال ملک پر قبضہ کا لالچ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے پٹرول سے نوازا ہے۔ یہ پٹرول عراق کے پاس بھی ہے اور بہت بڑی مقدار میں ہے۔ عراق کے پاس دو دریا دجلہ و فرات بھی ہیں۔ عراق کے پاس عالم عرب کی سب سے عمدہ قابلِ کاشت زمین بھی ہے اور عراق کے پاس ایسے لوگ بھی ہیں جو ان زمینوں سے پیداوار کر سکیں اور وسائل کو استعمال کر سکیں۔

کویت اور سعودی نے کیا تباہ کیا جب انھوں نے بغیر کسی قید و شرط کے عراق کی مدد کی۔ عراق کے پاس زبردست ذرائع اور وسائل ہیں اگر انہیں عراقی صدر نے استعمال کیا ہوتا۔ اور ایران کے ساتھ جنگ ختم ہونے کے بعد عربی عوام کا تعاون حاصل کیا ہوتا تو عراقی عوام انتہائی خوشحال ہو گئے ہوتے اور انہیں کسی چیز کی ضرورت باقی نہ رہتی۔

لیکن صدام حسین نے اس طرف توجہ کرنے کے بجائے اپنی ذاتی امنگوں کی وجہ سے تمام اسلامی معاہدوں کو پامال کر ڈالا اور خود عرب ملکوں کے درمیان محبت و قرابت کے رشتوں کو توڑ کر عرب قوم کی تاریخ میں بدترین مثال قائم کر دی۔ اس سے زیادہ کیا بری بات ہو سکتی ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جو طاقت تیار کی جا رہی تھی اس کا مقصد عرب قوم کا دفاع اور اسلامی ملکوں کو جارحیت سے بچانا نہیں تھا۔ ہم عرب اور اسلامی ممالک ایک ہی دائرہ میں آتے ہیں۔ ہمیں ایک ایسے عقیدہ نے باہم مربوط کر دیا ہے جو خون اور حسب نسب کے رشتوں سے زیادہ اہم ہے۔ ہم کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے منسلک رہتے ہیں اور یہی عرب و عجم اور افریقہ و ایشیا وغیرہ کو اکٹھا کرتا ہے۔ یہی صحیح جمہوریت ہے یہی اسلامی جمہوریت ہے کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت حاصل نہیں سوائے تقویٰ کی بنا پر۔ خدا کے نزدیک سب سے معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ لوگ جمہوریت کی بات کرتے ہیں اور مشرق و مغرب میں اس کے گن گاتے ہیں لیکن بتائیے اس جمہوریت سے بڑھ کر کون سی جمہوریت ہے؟ اسلام کی جمہوریت اور عظمت یہی ہے۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ ہمیں مسلمان بھائیوں کے ساتھ اکٹھا کرنے والی چیز ایک مضبوط رشتہ ہے جو رب العزت والجلال نے اپنے نبی خاتم الانبیاء و المرسلین حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا۔ اور اس کا طریقہ واضح فرمایا۔

جو بھی قرآن کریم کا مطالعہ کرے اور گہرائی سے غور کرے گا اور جو کبھی صحیح احادیث میں وارد حضور اکرم ﷺ کی روایتوں اور خلفاء راشدین سے مروی اقوال پڑھے گا وہ یہ جان لے گا کہ اسلامی عقیدہ انسانیت کی تاریخ کا سب سے ترقی یافتہ نظام دیتا ہے اور قیامت تک اس سے زیادہ بہتر نظام انسانیت کو نہیں مل سکتا۔ اسلامی عقیدہ سے بڑھ کر دینی و دنیوی اعتبار سے کوئی شے افضل نہیں ہو سکتی۔ انسان کے لیے مفید ہر چیز کو اسلامی عقیدہ نے مباح کیا ہے اور ہر چھوٹے بڑے کو نقصان پہنچانے والی ہر چیز پر پابندی لگائی ہے۔ ہر رحمت و شفقت، محبت و صداقت اور بہترین و اعلیٰ اخلاق اسلامی عقیدہ فراہم کرتا ہے۔ اگر ہم ساٹھ ستّر

برس پہلے کے دور پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھیں گے کہ استعمار ہر طرف اپنے پنجے گاڑے ہوئے تھا اور ہر طریقہ سے اسلامی عقیدہ کو جڑ سے اکھاڑ دینا چاہتا تھا اور اس کی صورت یہی ہوسکتی تھی کہ مسلمانوں کو صحیح ڈھنگ سے اسلامی عقیدہ پر عمل کرنے سے روک دیا جائے لیکن استعمار مسلمانوں کے دلوں سے اس عقیدہ کو اکھاڑنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ اور آج خدا کا شکر ہے کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسلامی عقیدہ دنیا میں چاروں طرف بغیر کسی جنگ کے پھیل رہا ہے

اب پھر موجودہ صورتِ حال کی طرف آتا ہوں۔

میں جانتا ہوں کہ آپ نیک ارادہ سے اکٹھا ہوئے ہیں اور یہ امید کرتے ہیں کہ شاید عراق اور عراقی صدر کو اس کا احساس ہو جائے کہ انھوں نے غلطی کی ہے۔ میرے خیال میں اس میں کوئی برائی نہیں ہے کہ کوئی انسان یہ سمجھنے لگے کہ وہ عراقی عوام میں سب سے زیادہ ہر دل عزیز ہے لیکن اسے عراق کو کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ آخر اس میں پس و پیش کی کیا بات ہوسکتی ہے کہ عراقی صدر ساری دنیا کی رائے مان لیں حتیٰ کہ وہ لوگ جو کبھی عراق کے ساتھ تھے اب وہ بھی باقاعدہ کہنے لگے ہیں کہ وہ کسی حال میں کویت پر عراقی قبضہ کو تسلیم نہیں کرتے۔

ایسی صورت میں عراقی صدر پر ہی سب سے بڑا فرض عائد ہوتا ہے اور وہ ان کے ہاتھ میں بھی ہے کہ وہ عراقیوں اور غیر عراقیوں کا خون بہنے سے روکیں جس کی ذمہ داری انھیں پر ہے ہم سعودی۔ خدا جانتا ہے جنگ نہیں چاہتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ عقل و حکمت غالب آئے اور صدر صدام عراقی فوج کو یہ حکم جاری کر دیں کہ وہ کویت سے واپس ہو جائے اور سعودی عرب کی سرحدوں سے عراق کے اندر چلی جائے۔ اگر وہ نام و نمود چاہتے ہیں اور تاریخ میں اپنا نام روشن کرنا چاہتے ہیں تو بھی اُن کے لیے یہ بہتر موقع ہے۔ لیکن اگر وہ سرکشی پر ہی قائم رہتے ہیں تو سارے نتائج کی ذمہ داری بھی انہیں پر ہوگی۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سعودی سرزمین سے بیرونی فوجیں واپس ہونی چاہییں۔ لیکن یہ فوجیں کیوں آئی ہیں اس کا سبب نہیں بتاتے۔ یہ فوجیں زبردستی نہیں آئی ہیں بلکہ سعودی عرب اور خلیجی ممالک کی خواہش پر آئی ہیں۔ جب کویت پر قبضہ کے ایک دو دن بعد ہم نے سرکاری طور پر اعلان کیا کہ ہماری پہلی خواہش یہی ہے کہ عرب ممالک عراقی حملہ سے سعودی عرب کو بچانے کے لیے اپنی فوجیں بھیجیں۔ ہم نے عرب اسلامی اور دوست ممالک پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا۔ ظاہر ہے عراق کے پاس ایک لشکرِ جرار ہے۔ اگر عرب، اسلامی دوست ممالک نے ہماری درخواست کو منظور کیا۔ تو میں سمجھتا ہوں

کہ اس میں خدا کی مشیئت کارفرما تھی۔ میرے خیال میں سعودی عرب سے یہ کہنے کا کسی کو حق نہیں ہے کہ اس نے بیرونی فوجوں سے کیوں مدد طلب کی۔ شرعی اعتبار سے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ سبھی جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں مشرکین سے مدد لی تھی۔

آج عراقی صدر یا ان کے نام پر کوئی اگر یہ کہتا ہے کہ مختلف ممالک کی طرف سے عراقی فوج اور عراق پر حملہ کیا جائے گا تو میرے خیال میں سبھی یہ جانتے ہیں کہ اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل سعودی عرب کے تابع نہیں ہیں نہ سعودی عرب کا ان پر حکم چلتا ہے۔ ان ممالک کا خود اپنا مقام اور وزن ہے اور انھوں نے ہر پہلو سے مسئلہ کا جائزہ لیا ہے۔

ان ممالک نے خود منطقی اور معقول اقدامات کیے جب کویت نے اُن سے کہا کہ اس کے خلاف جارحیت کی گئی ہے۔ کویتی عوام کی عزّت و حرمت کو پامال کیا گیا ہے اور انھیں قتل اور ایزارسانی اور لوٹ مار کا نشانہ بنایا جارہا ہے جب کہ کویت بین الاقوامی برادری کا ممبر ہے اقوام متحدہ کا ممبر ہے۔ کویت تمام اقوام عالم کی تنظیم اقوام متحدہ سے اپیل کرتا ہے کہ اس کی مدد کی جائے۔ تب ان ممالک نے باہم مشورہ کیا اور تبادلہ خیال کے بعد یہ طے ہُوا کہ یہ ممالک کویت کی بحالی اور بلا قید و شرط عراقی فوج کی واپسی کے لیے ضروری اقدامات کریں۔ کیا یہ سب سعودی عرب کے حکم سے ہوا؟ کاش ہمارے لیے یہ ممکن ہوتا کہ ہم پوری دنیا کو حکم دے سکیں تاکہ وہ ہماری مرضی کے مطابق ہو جاتی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ فیصلے اور اقدامات بین الاقوامی معاشرہ نے کیے مشرق و مغرب نے اتفاق رائے کیا۔ چین اور روس نے مغرب کے موقف کا ساتھ دیا۔ سعودی عرب کا اس میں کوئی تصرّف نہیں تھا۔ بلکہ دنیا یہ چاہتی ہے کہ وہ ایسے قدم اٹھائے جن سے آئندہ اس طرح کے حالات نہ پیدا ہوں۔ اگر وہ معاملہ کو یونہی چھوڑ دیتی تو کہا جاتا کہ آج بھی جنگل کا قانون چل رہا ہے اور طاقتور کمزور کو ہڑپ کر رہا ہے۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ پیدا ہوتی کہ ہر ملک اچھے کاموں کو پس پشت ڈال کر صرف فوج بنانے پر لگ جاتا اور دیگر سارے کام چھوڑ دیتا۔ جنگ کا دور دورہ ہو جاتا اور طاقتور کے کمزور کو ہڑپ کرنے کا رواج چل پڑتا ظاہر ہے یہ بات قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

اور اگر صدام حسین یہ کہتے ہیں کہ آخر آپ نے کیوں سعودی عرب کی شمالی سرحدوں پر متعدد

ممالک کی فوجیں بلائیں تو ہم کہینگے کہ آپ ہی نے ایسا کرنے پر ہمیں مجبور کیا۔ اور آپ ہی اس کے خواہاں تھے۔ آخر آپ نے دانش مندی سے کام لے کر بغیر کسی قید و شرط کے کویت خالی کیوں نہیں کر دیا۔ جو کچھ ہوا اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اور اب بھی آپ کے سامنے راستہ کھلا ہے اور میں صاف کہتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ بھی دشوار نہیں کہ وہ عراقی فوج کو پامال کر دے لیکن ایسی صورت میں آخر حل کیا ہے؟

حل ایک ہی شخص کے ہاتھ میں ہے۔

صدام حسین آج بھی یہ کر سکتے ہیں کہ وہ عراقی فوج سے کہیں کہ واپس آجاؤ۔ اور وہ واپس آجائے گی۔ یہ معاملہ نہ تو کسی حکومت کے ہاتھ میں ہے نہ کسی مجلسِ شوریٰ یا پارلیمنٹ کے ہاتھ میں ہے۔ نہ کسی اور کے ہاتھ میں بلکہ ایک ہی شخص عراقی فوج سے کہہ سکتا ہے کہ واپس آجاؤ۔

جیسے انھوں نے ایران کو چند لمحات میں وہ ساری چیزیں دے دیں جن کی وہ مانگ کر رہا تھا۔ ہم ایران و عراق کے مداخلت کرنے کے قائل نہیں۔ اگر عراق ایران کے حق میں کسی چیز سے دستبردار ہونا چاہتا ہے تو وہ آزاد ہے۔

میں ۱۹۷۵ء میں الجزائر میں اس وقت موجود تھا جب ایران و عراق کے درمیان مذاکرات چل رہے تھے۔ میں اس وقت شاہ فیصل رح کی نیابت کر رہا تھا۔ اور میں نے ایران عراق مذاکرات کا مشاہدہ کیا تھا۔ دونوں ملک اتفاق رائے تک پہنچے اور پھر باقاعدہ معاہدہ پر دستخط ہوئے اور حالات معمول پر آگئے پھر دونوں کے درمیان غلط فہمی پیدا ہوئی اور عراقی صدر نے اس میں کسی کو مداخلت نہیں کرنے دیا۔

عراقی صدر کے ساتھ میرے تعلقات انتہائی اچھے تھے۔ ایک بار جب میں بغداد گیا تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ ایران عراق سے بدسلوکی کر رہا ہے۔ انھوں نے عراقی سرحدی فوجوں کو تنگ کرنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور بغداد یونیورسٹی میں بم بھی پھینکوا تے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

میں نے ان سے کہا کہ "کیا مجھے کچھ نصیحت کرنے کی اجازت ہے یا مہمان کی حیثیت سے چپ رہنا چاہیے؟"

انھوں نے کہا کہ "آپ کچھ کہیں تو ہمیں خوشی ہوگی۔"

میں نے کہا۔ "آپ میری نصیحت مانیں گے؟"

انھوں نے کہا "ہاں۔"

میں نے کہا ایران کے ساتھ چھیڑ خانی مت کیجئے اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت بدلنے کی وجہ سے ایران ہنگامی حالات سے دوچار ہے اور مشکلات کا سامنا کر رہا ہے اور آپ اسے مناسب وقت سمجھتے ہیں کہ کوئی کارروائی اپنی مرضی اور پسند کے مطابق کریں تو میں کہوں گا۔ یہ اس لیے کہ ہمارے درمیان دوستی ہے اور میں پہلے ہی بات کرنے کی اجازت لے چکا ہوں۔ کہ یہ عراق کے مفاد میں نہیں ہے کہ وہ ایران میں مداخلت کرے۔ انھوں نے کہا کہ ایران انارکی سے دوچار ہے۔

میں نے کہا کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ملک میں انارکی پیدا ہو تو عقل و منطق کی رو سے اس کے معاملات سے مداخلت کا حق مل جاتا ہے؟ ایران خود اپنے معاملات سے اپنے طریقوں سے نمٹ رہا ہے۔ لیکن ہوا یہ کہ انھوں نے مداخلت کر ہی دی۔ پھر جو ہونا تھا ہوا۔ آخر اس آٹھ سالہ جنگ سے کیا فائدہ ہوا۔ ایران و عراق کے بہت سے شہر اور گاؤں تباہ و برباد ہو گئے۔ لاکھوں انسانوں کو جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔ لاکھوں لوگ اجتماعی زندگی سے محروم ہو گئے۔ کھربوں روپے خرچ ہوئے اور آخر کار دونوں کو صلح کرنی پڑی۔ دنیا میں ہر چیز کا ایک انجام ہوتا ہے اگر صدر صدام نے آٹھ سال تک اپنے لوگوں کو جنگ میں جھونکا، اپنے مددگاروں کا کھربوں روپیہ برباد کیا اور لاکھوں لوگوں کی جانیں گنوائیں تو اب پھر ۱۹۷۵ء کے معاہدہ کو کیوں ماننے لگے جسے انھوں نے پھاڑ کر پھینک دیا تھا۔

اب جب اس کی ضرورت بھی نہیں رہ گئی تھی کیوں وہی معاہدہ دوبارہ منظور کر لیا؟

عراق ایران تنازعہ میں اقوام متحدہ نے مداخلت کی اور اسے طے کیا اور دونوں فریقوں نے اقوام متحدہ کے فیصلوں کو مانا اور عراق کی طرف سے بغیر کسی رعایت کے سمجھوتہ ہونے والا تھا کہ عراقی صدر نے خود سے۔ اور وہ بھی صرف پندرہ منٹ کے اندر۔ ۱۹۷۵ء کا معاہدہ تسلیم کرنے اور ایرانی مطلوبہ سارے علاقے واپس کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

مجھے عراقی صدر پر اعتراض نہیں، نہ میں یہ کہتا ہوں کہ انھوں نے کیوں رعایت دیئے۔ اور ۱۹۷۵ء کا معاہدہ ماننے کا فیصلہ کیا کیونکہ یہ معاملہ عراق اور عراقی صدر سے متعلق ہے۔ مجھے کچھ کہنے کا حق نہیں۔

میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ کیا کویت سے واپسی میں ۱۹۷۵ء کے معاہدہ کی طرف واپسی سے زیادہ دشواری ہے؟ کیا ان علاقوں سے واپسی سے زیادہ مشکل ہے جنھیں عراق اپنی ملکیت بتاتا تھا اور ان پر قبضہ بھی کر چکا تھا پھر ایران کو واپس کیے گیے؟

آخر اس میں کیا رکاوٹ ہے کہ وہ عقل و منطق سے کام لیں اور بغیر کسی شرط کے کویت سے واپسی کا اعلان کر دیں۔ ان کے کویت سے نکلتے ہی مسئلہ ختم ہو جائیگا اور جنگ کا کوئی امکان باقی نہیں رہ جائے گا۔

اگر ان کا کوئی دعویٰ ہے تو اگر وہ چاہتے ہیں تو عرب بھائی اس کا فیصلہ کر دیں، یا اگر وہ چاہیں تو عرب لیگ یا عرب رہنماؤں میں سے جنھیں وہ پسند کریں اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لے سکتے ہیں۔ اور اگر وہ سب نہ چاہیں تو پھر عالمی عدالت اور سلامتی کونسل موجود ہی ہیں تب آخر انھیں کیا چیز روک رہی ہے کہ وہ کویت سے عراقی فوج کی واپسی کا حکم جاری کر کے فتنہ کو ختم کر دیں؟

سلامتی کونسل کے پانچوں سرکردہ ممبران باقاعدہ یہ اعلان کر چکے ہیں کہ اگر عراق واپس چلا جائے تو مسئلہ یہیں ختم ہو جائے۔ ہم سب یہ اعلان سن چکے ہیں۔ آخر عراق کی ناکہ بندی اور پٹرول برآمد کرنے پر پابندی کیوں نافذ کی گئی ہے۔ آخر کب تک تکبر اور ہٹ دھرمی جاری رہے گی۔ کیا اس وقت تک جب وہ المیہ نہ رونما ہو جائے جس سے عراقی عوام یا عراقی فوج کو ہم دوچار کرنے کی خواہش نہیں رکھتے۔

خدا کی قسم ہم نہیں چاہتے کہ عراقی عوام یا عراقی فوج کا خون بہے سوائے اس کے کہ جنگ اور اپنے دفاع کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہ جائے۔ جان کی حفاظت و دفاع تو آخر انسان کا جائز حق ہے۔

عراق اور اس کے حامیوں کی طرف سے مضحکہ خیز باتیں سننے کو ملتی رہتی ہیں۔ بعض دفعہ حمایت بھی۔ جب معقولیت کے دائرے سے باہر نکل جائے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ ان کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ حرمین شریفین پر بیرونی فوجیوں نے قبضہ کر لیا ہے اور ان کے انتظامات حتیٰ کہ طواف و سعی، مسجدِ نبوی کی زیارت وغیرہ بھی اہل مغرب سنبھال رہے ہیں۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اور حرمین شریفین متنازعہ کی جگہ سے ۱۵۰۰ کلومیٹر دور ہیں اور وہاں تک پہنچنے کے لیے طیارہ بھی ڈھائی گھنٹے لیتا ہے۔ مسلمان خود یہاں آتے رہتے ہیں اور دیکھتے رہتے ہیں کیا آپ مسلمانوں سے جھوٹ بول رہے ہیں؟ کیا آپ اسلامی مملکت پر بہتان تراش رہے ہیں جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے اور انشاء اللہ قیامت تک وہ تقویٰ پر قائم رہیگی

اور کتاب وسنت پر چلتی رہے گی

میں دعویٰ تو نہیں کرتا کہ سعودی عرب غلطیوں سے پاک ہے اگر غلطیاں نہ ہوتیں تو سزا و جزا کا سلسلہ کیوں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان سے فرما دیا ہے کہ یہ بھلائی کا راستہ ہے اور وہ برائی کا۔ تمھیں پوری آزادی ہے جس پر چاہو چلو۔ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب، نبی کی سنت اور خلفائے راشدین کی سیرت موجود ہے کوئی چیز مبہم اور غیر واضح نہیں ہے۔ اگر ہر ہر غلطی پر اللہ تعالیٰ سزا دیتا تو آج روئے زمین پر کوئی باقی نہ بچتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ توبہ کو قبول کر لیتا ہے۔ نماز سے نماز تک جمعہ سے جمعہ تک۔ رمضان سے رمضان تک اور حج سے حج تک رب غفور و رحیم بہت سے گناہوں کو معاف فرماتا رہتا ہے۔ کسی بھی خطا کار کے لیے توبہ کا دروازہ بند نہیں کیا گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ اسلامی عقیدہ میں بڑی گنجائش دی گئی ہے۔ اور جب ہم کہتے کہ ہم ایسے ملک میں ہیں جو خدا کے فضل و کرم سے اسلام کا ملک ہے جس کا اصول کتاب وسنت پر مبنی ہے تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ہمارے نزدیک سب سے زیادہ اہمیت اسلامی عقیدہ ہی کی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے جو چیز نازل فرمائی ہے اور جس کی وضاحت نبی کریم نے فرمائی ہے اور جس کے بارے میں خلفائے راشدین و ائمہ صالحین نے بتلایا اس سے بڑھ کر بھی کوئی چیز ہے؟

ہمارے سامنے آسمانی دستور ہے جس میں کسی طرف سے باطل اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

ہم بنی آدم خطاؤں کے پتلے ہیں۔ اگر خطا نہ ہوتی تو توبہ کیوں ہوتی مسلمان کے سامنے نیکی وبھلائی کے تمام دروازے کھلے ہوتے ہیں۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس ملک میں حرمین شریفین مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی خدمت کے لیے بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیں اسی راستہ پر چلاتا رہے

میں تمام اسلامی ممالک کی قدر اور احترام کرتا ہوں مجھے احساس ہے کہ بہت سے اسلامی ممالک کو استعمار کا شکار ہونا پڑا تھا۔ اور استعمار نے وہاں بڑے چھوٹے مسائل چھوڑے ہیں بہت سے ممالک کے اپنے مخصوص حالات ہیں جن کا ہمیں احترام کرنا ہوگا۔ میرے خیال میں جو بھلائی چاہے اسے کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ یہ بھلائی قابل قبول طریقوں سے آنی چاہیے زبردستی، انارکی، پر فریب نعرے بازی اور ایسی باتوں سے نہیں جن سے اسلامی عقیدہ پر بلاوجہ ضرب پڑے۔ یہ اس ملک کے باشندوں اور تمام مسلمانوں پر خدا کا انعام ہے کہ بیت اللہ اور مسجد نبوی ایسے ہاتھوں میں ہیں جو انکی حفاظت کے لیے ہر چیز قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم ایسے راستے پر چل رہے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنے صاحب

رائے مسلمان بھائیوں سے مدد نہ لیں کہ اگر وہ کوئی غلو یا اور کوئی غلطی یہاں دیکھیں تو وہ ہمیں متوجہ کریں اور ہماری مدد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہاں کی خدمت کی نعمت سے نوازا ہے۔ اور انشاء اللہ ہم میں اس کی صلاحیت ہے کہ ان مقدس مقامات کو تمام چیزوں سے محفوظ رکھنے کے لیے تمام ضروری اقدامات کریں۔

اب اگر کوئی اشتباہ پیدا کرتا ہے یا بہتان طرازی کرتا ہے تو اس کی سزا اللہ تعالیٰ ہی دے گا۔

میں آپ تمام حضرات کا پھر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ اپنے ضروری کام چھوڑ کر اور تکلیف اٹھا کر یہاں تشریف لائے ایسے ملک میں جس سے آپ بھی محبت کرتے ہیں۔ اور جو خود آپ سے محبت رکھتا ہے اور ہمارے درمیان محبت کے ایسے تعلقات ہیں جن پر کوئی اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

میں پھر امید ظاہر کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عراقی صدر کو توفیق دے گا کہ وہ کویت سے بلا قید و شرط عراقی فوج واپس بلانے کا حکم جاری کریں گے اور اس جرأت کا مظاہرہ کریں گے جس کا وہ دیگر معاملات میں کر چکے ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں ایسا کرنے کی ضرور توفیق دے گا۔ میں معذرت خواہ ہوں کہ بات لمبی ہو گئی لیکن اس جگہ ایسے عزیز بھائیوں سے مل کر مجھے انتہائی خوشی ہو رہی ہے۔ میں آپ کے ساتھ کانفرنس میں بھی شریک ہونا چاہتا تھا۔ لیکن حالات نے اس کی اجازت نہیں دی۔ انشاء اللہ جلد ہی یہ حالات درست ہو جائیں گے اور رب کریم معاملا کو آسان فرما دے گا اور ایسی صورت پیدا کر دے گا جس سے ساری دنیا کے مسلمانوں کو خوشی اور اطمینان ہو۔

بقیہ صف بندی

ہمارے معاشرے میں اس سنت پر عمل کرنے سے جو ردّ عمل ہوتا ہے۔ اس روایت کے ایک راوی حضرت معمر رحمۃ اللہ علیہ اسے یوں بیان کرتے ہیں۔

"ولو فعلت ذلک الیوم لنفر کانہ بغل شموس (فتح الباری ص ۲۱۱، ج ۲)

اگر (پاؤں ملانے والی) حدیث پر عمل کرتے ہوئے آج کسی کے ساتھ پاؤں ملاتا ہوں، تو وہ سرکش خچر کی طرح بدکتا ہے۔ حضرت معمر رحمۃ اللہ علیہ کے تجربے کو آج ہم بھی اپنی مساجد میں دیکھتے ہیں۔ جوں ہی کسی سے پاؤں ملایا جائے فوراً بدک کر ایک طرف ہٹ جاتا ہے۔